خطبۂ صدارت

اجلاس دہم

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

منعقدہ ۲۳ و ۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء

بمقام دہلی

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کیمپ آفس لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

۱۴۱۲ھ — ۱۹۹۱ء

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات _____ ۲۴

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کیمپ آفس لکھنؤ

ناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

حضرات!

ایک ایسے وقت میں کہ ملک سیاسی، آئینی، اقتصادی، اجتماعی اور اخلاقی انتشار اور بحران کے ایسے دور سے گزر رہا ہے جس سے اس کا حال غیر معتدل (ABNORMAL) اور مستقبل پُرخطر و مشکوک نظر آنے لگتا ہے، اور جہاں جانوں، عزتوں مذہبی آزادی، جمہوری قدروں اور نفس مذاہب و ادیان اور ان کے مرکزوں کے بقاو سلامتی ہی کا مسئلہ درپیش ہے، پھر دہلی جیسے حساس اور فیصلہ کن شہر میں جس کو اس صورتِ حال اور حقائق و مسائل کا ذمہ دارانہ اور فیصلہ کن مرکز کی حیثیت سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہنگامی پیمانہ پر سالانہ اجلاس بُلانا اور مسلم پرسنل لا اور اس کے سلسلہ میں درپیش خطرات و امکانات کا جائزہ لینا اور ان کی طرف متوجہ کرنا ایک بے "وقت کی شہنائی" معلوم ہوتی ہے۔

لیکن بغیر کسی معذرت اور طویل تمہید کے یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ خالص ملک کے مفاد میں ہے اور ایک بروقت اور برمحل اقدام ہے جس کے لئے ملک کے بہی خواہوں اور حقیقت پسند اشخاص، اداروں، حکومت کے ذمہ داروں اور تمام باضمیر انسانوں کو

www.abulhasanalinadwi.org

شکر گزار ہونا چاہئے اور اس کا پورا نوٹس لینا چاہئے کہ اس کے بغیر جمہوریت اور اس ملک کا خمیر و ضمیر اور اس کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا۔

ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی فضا ختم کی جائے، کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کر سکتا کہ اس کی آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارہ میں اپنے عقائد اور اس آئین، ضوابط اور ہدایات کے بارہ میں جن کے مطابق اُن کو زندگی گزارنا ضروری ہے شکوک و شبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بدخواہی نہیں ہو سکتی کہ وہ توانائی جو ملک کی سالمیّت، اس کی حفاظت اور تعمیر و ترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی، وہ شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں یا شکوک و شبہات کی فضا میں زندگی گزارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اور جو ہمارے لئے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور اندرونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جو صرف مسلمانوں کے لئے مُضر نہیں ملک کے لئے بھی مُضر ہے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوّت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انھوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے، جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع اور جامع بھی، قرآن شریف میں ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	اے ایمان والو! اسلام میں
فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا	پورے پورے داخل ہو جاؤ،
خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ	اور شیطان کے پیچھے نہ چلو،
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (سورۃ البقرۃ ۲۰۸)	وہ تو تمھارا صریح دشمن ہے۔

ان ۲ دو حقیقتوں کو اگر سمجھ لیا جائے کہ یہ دین ہمیں وحی سے ملا ہے نیز یہ کہ پیغمبر کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے :۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ	(اے پیغمبر) ہم نے آپ کو دین کے
الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ	خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے،
اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝	تو آپ اسی پر چلتے جائیے اور بے علموں
(سورۃ الجاثیۃ ۔ ۱۸)	کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔

نبی معصوم اور نبی محبوب سے یہ کہا جا رہا ہے تو ہم سے کیسے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم شریعت کو بدل دیں۔

یہ ۲ دو حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ ہی چاک ہو جاتا ہے، اور ایک غیر ضروری صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت و توانائی صرف کرنے سے ہمیں چھٹی مل جاتی ہے اور ملک و حکومت کو دوسرے ضروری کاموں کے لئے وقت بچ جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لئے، سالمیت کے لئے اور مشترک

www.abulhasanalinadwi.org

وطنی شعور کے لئے ضروری ہے کہ ایک مشترک و احد عائلی قانون (UNIFORM CIVIL CODE) نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم جو ہوئی تھی وہ اصلاً و ابتداءً برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرسچین ہیں پروٹسٹنٹ بھی ہیں اور اُن کا عائلی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کر سکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اگر یونی فارم سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرسچین اور پروٹسٹنٹ جن کی تہذیب بھی، عائلی قانون بھی، بلکہ معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جاکر دیکھ آیئے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف اور ہندو ہندو کے خلاف مدّعی ہے، اور مدّعا علیہ کی عزّت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے، ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق نفسانیت سے ہے، دولت پرستی کے جنون سے ہے نفس پرستی اور مادّیت سے ہے، اس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہو جانے سے اخلاقی صورتِ حال میں

www.abulhasanalinadwi.org

قطعاً ایک ذرّہ کا فرق نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونی فارم سول کوڈ ہونا چاہئے تاکہ آپس میں اتحاد و اُلفت پیدا ہو۔

اس موقع پر ایک مشہور برطانوی ماہر قانون بوڈن ہیمر (E BODEN HEIMER) نے فلسفۂ قانون اور اس کی سماجی اہمیت سے بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری آنکھ کھولنے اور حقیقت پسندی سے کام لینے کے لئے کافی ہے، وہ کہتا ہے :-

"کسی قانونی نظام سے جس کا منشا زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو اگر لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ اُن کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمّہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہوگا' لوگ کسی ایسے قانون کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتے جسے وہ نامناسب یا ناقابل برداشت سمجھتے ہوں، جو حکومت اس قسم کے نظامِ قانون کو برقرار رکھنے پر مُصر ہو اُسے اُس کے نافذ کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، اس لئے کوئی نظام جس کی بنیاد انصاف پر نہ ہو غیر محفوظ اور پُرخطر ہوگا جیسا کہ جان ڈکنسن نے کہا ہے :-

"ہمیں کسی عام اور متعین ضابطہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایسے ضابطہ کی ہے جس کی بنیاد انسانی ضرورت اور صلاحیت پر ہو، ورنہ وہ نظام قابلِ عمل نہ ہوگا، یہ قانون مُنصفانہ اقدار اور اندرونی رجحانات

www.abulhasanalinadwi.org

کی خلاف ورزی کرے گا، ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی،
اور وہ اتنا ناپائدار ہوگا کہ اس کا جواز ہی ختم ہو جائے گا۔"[1]

پھر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یکسانی اور اتحاد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی قانون کسی آبادی کے کسی عنصر، ملک کے کسی فرقہ اور کسی مذہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے متصادم ہے تو وہ اتحاد، باہمی تعاون، ملک کی تعمیر و ترقی میں گرم جوشی، خلوص اور سکون و مسرت کا احساس پیدا کرنے کے بجائے مزید انتشار، بے دلی یا نیم دلی بلکہ مجبوری اور غلامی کا وہ احساس پیدا کر سکتا ہے جو کسی آزاد ملک یا متحدہ قومیت کے لئے جذام اور کوڑھ سے کم نہیں۔

حضرات!

یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم اور آپ امین ہیں، اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (SOCIAL WORKERS) اور بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابلِ احترام ہیں، لیکن "دین" اور تہذیب، نظامِ فکر، مکتبِ خیال (SCHOOL OF THOUGHT) اور خالص مطالعہ، غور و فکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حدِّ فاصل، سرحدی لکیر (LINE OF DEMARCATION) ہوتی ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حدِّ فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے

---

[1] (E BODEN HEIMER JURIS PRUDENCE HARVARD, 1967. P. 212)

www.abulhasanalinadwi.org

سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط مبحث (CONFUSION) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات اُن کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں[1]، اپنی وسعتِ مطالعہ اور وسعتِ نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدّن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان و عقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (FAMILY LAW) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم و خبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی اور جو اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:-

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَھُوَ	کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا
اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ؕ	کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں
(سورۃ الملک-۱۴)	اور (پورا) باخبر ہے۔

[1] جیسا کہ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ میں قرآنی لفظ و اصطلاح "متاع" کی تشریح میں کیا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید اُمّت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی اور عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمّل، متوازن اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کی عقلی و علمی شواہد، اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی و مغربی فضلاء، جری وانصاف پسند محقّقین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی "شپرہ چشم" ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

حضرات!

شاہ بانو کیس کا سپریم کورٹ سے فیصلہ صادر ہونے کے موقع پر ہندوستان کی ملّتِ اسلامیہ نے اپنے دین و شریعت سے وابستگی، اسلام سے وفاداری اور ملّی غیرت و خودداری کا ایسا ثبوت دیا جس کی نظیر عرصۂ دراز سے ملّی و دینی تحریکات کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آئی، ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عظیم الشّان جلسے ہوئے، بعض اضلاع اور چھوٹے مقامات

www.abulhasanalinadwi.org

میں بھی ایک ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا، کلکتہ کے جلسۂ عام میں جو، ۶ اپریل ۱۹۸۶ء کو شہید مینار میدان میں منعقد ہوا تھا، محتاط اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ (نصف ملین) انسان تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند کے آخری سرے کشمیر کی فلک بوس چوٹی سے جنوب میں کنّیا کماری تک جلسوں کا ایک طوفان امنڈ پڑا، جس میں بورڈ کے ذمہ دار ارکان اور ملک کے ممتاز ترین علماء بذات خود شریک تھے، اس کے علاوہ وزیر اعظم ہند مسٹر راجیو جی اور وزیر قانون کے نام ہزاروں کی تعداد میں احتجاجی تار اور جلسوں کی تجویزیں بھیجی گئیں۔

اس ملک گیر عوامی احتجاج اور عظیم الشان جلسوں کے ساتھ (جس میں نظم و احترام قانون، سنجیدگی اور وقار کا پورا لحاظ رکھا گیا) بورڈ کے ذمہ داروں نے وزیر اعظم ہند راجیو جی سے اور ان کے اشارہ و ہدایت سے جمہوریۂ ہند کے وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور ان کے رفقاء سے رابطہ قائم رکھا، انھوں نے راجیو جی سے دو تین مرتبہ شخصی اور خصوصی ملاقاتیں کیں اور آزادانہ و بے تکلفانہ فضا میں اُن کو مسئلہ کی نوعیت و اہمیت، مذہبی و شرعی نقطۂ نظر اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات و تأثرات سے واقف کرانے کی مخلصانہ کوشش کی، راجیو جی نے بھی (جن کو یقیناً اس سلسلہ میں مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی اور عظیم الشان جلسوں کی رپورٹ پہنچ چکی ہوگی) صبر و سکون اور احترام کے ساتھ یہ بات سنی اور وہ اس بارہ میں مطمئن (CONVINCED) ہوگئے کہ یہ مسلمانوں کا خالص مذہبی مسئلہ ہے، اور اس کی ترجمانی وہی علماء کر سکتے ہیں، جن کا دین کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے اور وہ مسلمانوں کے نزدیک دین و شریعت کے صحیح ترجمان ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اوراس سے کوئی سیاسی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے، چنانچہ انھوں نے ایک سے زائد بار اس کا اظہار کیا کہ انھوں نے اس مسئلہ پر نامور علماء سے تبادلۂ خیال کرلیا ہے اور وہ مطمئن ہیں کہ اسلام طبقۂ اناث (FEMALE SEX) بشمول مطلّقہ خواتین کے حقوق کا پورا تحفّظ کرتا ہے، اس سلسلہ میں یہاں تک اُن کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ وہ موجودہ قانون سے بھی زیادہ اُن کے حقوق کا تحفّظ کرتا ہے' اوران کو حق دیتا ہے، وہ حقیقت پسندی، اخلاقی جرأت، اوراحساس ذمہ داری اورعزم وفیصلہ کے ساتھ مُطلّقہ خواتین کے حقوق کے تحفّظ کا بل پارلیمنٹ میں لائے اوراس پر واضح اورطاقتور وہپ (WHIP) جاری کیا، اوروہ ۶ رمئی ۱۹۸۶ء کو "تحفّظ حقوق مسلم مُطلّقہ بل" کے عنوان سے کھلی اکثریت کے ساتھ پاس ہوا اورمسلمانوں نے ایک ایسی ملّت کی طرح جو صحیح وغلط تائید ومخالفت اورخلوص وسیاست میں فرق کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوئی، اس شریفانہ اورجرأت مندانہ اقدام کا پوری فراخ دلی اورجذبۂ شرافت کے ساتھ اعتراف اور اپنے تشکر وامتنان کا اظہار کیا۔

اب ضروری کام یہ ہے کہ وزارت قانون یا سپریم کورٹ کے ذریعہ عدالتوں کو یہ اطلاع دے دی جائے کہ مسلم مطلّقہ کے معاملہ میں اب زندہ، فعّال اور نافذالعمل دفعہ "مسلم مُطلّقہ کے حقوق کے تحفّظ" کا (ترمیم شدہ شکل میں) یہ نیا بل ہے، جو ۶ رمئی ۱۹۸۶ء کو پارلیمنٹ نے پاس کیا، اس لئے کہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ عدالتیں اس بل سے تجاہلِ عارفانہ برتتی ہیں' یا اس کو نظرانداز کرکے دفعہ ۱۲۵ ہی کے مطابق فیصلہ کررہی ہیں جیسا کہ گجرات اورکیرالا وغیرہ کے ہائی کورٹ کے

www.abulhasanalinadwi.org

فیصلہ سے ظاہر ہوتا ہے، دوسرے اس حقیقت کا بھی اظہار ہوا ہے کہ وہ وکلاء اور ایڈووکیٹ جو طلاق دینے والے فریق (مرد) کی طرف سے بحث کرتے ہیں، وہ یا تو اس بل سے سرے سے ناواقف ہیں یا وہ اس کو نافذ العمل ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنے اور کامیاب بحث کرنے میں پہلوتہی کرتے ہیں اور اس کی صحیح وکالت نہیں کرتے، اس لئے ملک کے قانون داں طبقہ کو بھی (خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں) صحیح معلومات فراہم کرنا اور ان کو صحیح صورت حال سے واقف کرنا ضروری ہے اور بورڈ کو اس سلسلہ میں علمی اور قانونی طور سے اس طبقہ کو (اگر رہنمائی کا لفظ اس کے شایانِ شان نہیں) مواد مہیا کرنے اور فیڈ (FEED) کرنے کی ضرورت ہے ورنہ تجاہل اور تغافل کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور یہ پاس شدہ بل اوراق کی زینت بن کر رہ جائے گا، بورڈ کا ایک موقر وفد وی پی سنگھ جی کے زمانۂ وزارتِ عظمیٰ میں ان سے ملا تھا اور اُن کے اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری اور ادائے فرض کی طرف متوجہ کیا تھا، اور انھوں نے اس کا وعدہ کیا تھا، ضرورت ہے کہ یہ کوشش اور سلسلۂ جنبانی جاری رہے، اور اس کو ایک مہم کی طرح چلایا جائے۔

حضرات!

میں چند لفظ اپنے ان غیر مسلم برادرانِ وطن، دانشوروں اور صحافیوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں، جنھوں نے شاہ بانو کیس کے فیصلہ پر مسلمانوں کا شدید ردِّ عمل ظاہر ہونے اور پارلیمنٹ میں مسلم مطلّقہ خاتون کے بارہ میں بل پیش ہونے اور پھر اس کے اکثریت کے ساتھ منظور ہونے پر اپنے شدید ردِّ عمل

www.abulhasanalinadwi.org

تلخ تنقید و تبصرہ اور حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کیا اور اس کو طبقۂ نسواں کے حق میں شدید ناانصافی قرار دیا۔

اس سلسلہ میں ایک حقیقت تو یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ مسلم معاشرہ اور ہمارے ملک کے غیر مسلم معاشرے، سماج، خاندانی زندگی اور ماحول اور اسی کے ساتھ دونوں فرقوں کے مذہبی قانون و آئین میں ایک فرق ہے، جس کو ملحوظ رکھنا چاہئے، وہ یہ کہ اسلام اور مسلمانوں میں عورت کی شادی ہو جانے کے بعد وہ اپنے خاندان، والدین اور بھائیوں سے کٹ نہیں جاتی اور نکاح و طلاق دونوں حالتوں میں خاندان کے ایک ایک فرد، ماں باپ (اگر وہ زندہ ہیں) کی بیٹی اور بھائی بہنوں کی بہن ہوتی ہے، وہ ترکہ (HERITAGE) اور جائداد میں اس پورے حصہ کی مستحق ہوتی ہے جو شریعتِ اسلامی نے مقرر کر دیا ہے، اور جس کا قرآن مجید میں ذکر اور اس کے دینے کی تاکید ہے اور وہ شرعاً و قانوناً اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شرعی عدالت اس کے حق میں فیصلہ کرے گی، اس کے خلاف جو عمل کیا جائے گا، وہ گناہ اور شریعت میں مداخلت بلکہ اس سے بغاوت ہوگی۔

اس کے برخلاف (معذرت کے ساتھ کہا جاتا ہے) ہندو معاشرہ اور سماج میں عورت شادی کے بعد اپنے خاندان، ماں باپ اور بھائی بہنوں سے کٹ جاتی ہے، اس کی کفالت کی ذمہ داری سرتاسر شوہر پر عائد ہوتی ہے، اسی صورت حال اور سماجی ڈھانچہ کی وجہ سے شوہر کے انتقال پر عورت بالکل لاوارث اور تنہا ہو جاتی ہے، اس کی کفالت، سکونت و حفاظت کی

www.abulhasanalinadwi.org

ذمہ داری کسی طرح اس کے خاندان (میکہ) پر عائد نہیں ہوتی اور اس کے لئے عزت کے ساتھ زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی صورت حال اور رواج نے قدیم زمانہ میں (جس کی تاریخی تحدید مشکل ہے) خواتین کے طبقہ کو جو بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھیں ستی کی رسم کی طرف مائل کیا، جو اس کس مپرسی اور لاوارثیت سے نجات پانے کا واحد راستہ نظر آتا تھا، اور صدیوں بلکہ شاید ہزاروں برس سے اس ملک میں یہ رسم جاری تھی اور یہ شریف اور معزز گھرانوں کی ایک روایت اور قابلِ تقلید بلکہ قابلِ فخر عمل بن گیا، مسلمانوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں مذہب میں مداخلت کے الزام سے بچنے کے لئے اس کو قانوناً منسوخ اور ممنوع قرار نہیں دیا لیکن جیسا کہ ڈاکٹر برنیر (BURNIER) نے اپنے "سفرنامۂ ہند بعہد سلطنت مغلیہ" میں لکھا ہے کہ حکمراں اور بااثر طبقہ کی بیگمات ان گھرانوں میں جاتی تھیں اور بیوہ کو ستی ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھیں[1]، برطانوی حکومت نے اس کو یکسر ممنوع قرار دیا، لیکن اب بھی کہیں کہیں (خاص طور پر راجپوتانہ میں) یہ رسم جاری ہے، اور اس کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔

اس فرق کی نشاندہی کے علاوہ جو ضرورتاً اختیار کی گئی اور جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان مطلقہ خاتون طلاق کے بعد یکسر لاوارث نہیں ہو جاتی، اور وہ بھیک مانگنے یا زندگی کا خاتمہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتی، وہ اپنے اُن

---

[1] وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر جلد دوم ص ۱۷۲

(FRANCOIS BURNIER TRAVELS IN THE MOGUL EMPIRE PP. 306-7)

www.abulhasanalinadwi.org

اہلِ خاندان اور خونی رشتہ رکھنے والوں کے پاس عزّت کی زندگی گزار سکتی ہے، اس حقیقت کی طرف ادب کے ساتھ ان معترضین و ناقدین کو متوجہ کرنا ہے کہ اس مسئلہ سے کہیں زیادہ ان کی توجہ کی مستحق خود ان کے فرقہ اور طبقۂ نسواں کی سیکڑوں، ہزاروں نئی بیاہی دلہنوں کے جلائے جانے، یا غیر طبعی طور پر ان کو ہلاک کر دینے کے وہ واقعات ہیں جن سے شاید اس لمبے چوڑے ملک میں کوئی دن خالی جاتا ہو۔

یہ اس احساس تناسب (SENSE OF PROPORTION) کے بھی خلاف ہے، جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ جس نسبت سے توجہ، فکر و پریشانی کا مستحق ہے، اسی نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں توانائی صرف کرنے کی ضرورت ہے، رائی کا پربت بنانا، نہ عقل سلیم کا تقاضا ہے، نہ عقل عملی (PRACTICAL WISDOM) کا۔

برادرانِ ملّت!

اب میں اس مجمع کو ایمانی و قرآنی زبان میں خطاب کرنا چاہتا ہوں، اور آپ کی عملی زندگی کا محاسبہ کرتا ہوں، آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی و قرآنی قانونِ معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں؟ اس پر خاندانی روایات کو اور رسم و رواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ مکّہ و مدینہ، حرمین شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستہ سے آئی ہے، یہ لعنت کہاں سے آئی؟

www.abulhasanalinadwi.org

جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرتِ ملّی کو، آپ کے وجودِ ملّی کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لیکن جب ہم اہلِ حکومت اور برادرانِ وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ اُن سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے لیکن آپ کا گریبان پکڑ لیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا، جو آپ کا گریبان پکڑے گا اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حُرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے، اُس کا احترام کرے!؟۔

یہاں سے یہ عہد کر کے جایئے کہ اب قانونِ شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، اُن کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ [۱۲] گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے[ل]، کیا اس کائنات کے خالق اور نوعِ انسانی کے مربّی (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک،

ل "قومی آواز" دہلی ۱۰ر جون ۱۹۸۲ء۔

کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃٌ للعالمین کی اُمّت ہیں آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمّت نہیں ہونی چاہئے تھی، میں نے دہلی ہی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ	اور خدا ایسا نہ تھا جب تک
وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ	تم اُن میں تھے انھیں عذاب دیتا
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ	اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں
(سورۃ الانفال ۔۳۳)	اور انھیں عذاب دے۔

آپ رحمۃٌ للعالمین کی اُمّت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا، چہ جائے کہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر، شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لئے پیام دیں گے، جہیز کے لئے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہئے، وہ ملنا چاہئے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

ایسے ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہئے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہئے

www.abulhasanalinadwi.org

ـــــ اور طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہیئے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے، پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہیئے کہ طلاق رجعی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن مُغلّظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر آپ یہ بھی سمجھیں کہ طلاق اَبغض المُباحات ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے، لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے، جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لئے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں، اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں[1]۔

حاضرینِ کرام!

آپ اجازت دیں کہ عدالت وحکومت اور آئین ساز ادارہ وانتظامیہ پر اظہارِ خیال کرنے کے ساتھ اپنی ملّت کا بھی ناقدانہ، لیکن مُنصفانہ وحقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے، ایک اہم چیز جو عالمِ غیب میں بھی بڑا اثر رکھتی ہے اور ملّی واجتماعی زندگی میں بھی اس کے اثرات بڑے وسیع اور دور رس ہیں، وہ مسلمانوں کا اپنے ذاتی معاملات پر اور اپنی دلچسپی کے دائرہ میں اسراف وفضول خرچی، شہرت وعزّت کے حصول یا رسم ورواج

---

[1] مسلمانوں میں طلاق کی شرح وہ نہیں ہے جو بیان کی جاتی ہے اس میں مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے، پھر بھی تھوڑی سی بے اعتدالی ضرور ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی پابندی میں بے دریغ روپیہ صرف کرنا اور اپنے پڑوسیوں، عزیزوں اور ملّت کے دوسرے افراد کے فقر و فاقہ، اضطرار و اضطراب اور ان افسوسناک حالات سے چشم پوشی اور بے حسی ہے جن میں کم سے کم انقلاب کے بعد مسلمان اس ملک میں مبتلا ہو گئے ہیں، فقہ و فتاویٰ کی محتاط و محدود زبان اور حلال و حرام کے مُعیّن حدود و احکام میں خواہ اس کے لئے حُرمت کا کوئی صریح فتویٰ اور لرزہ خیز لفظ نہ ملے، اس میں ذرا شبہ نہیں کہ یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کی حکیم و عادل ذات اور ربوبیت اور رحمتِ عامّہ صفات کے لئے غضب اور سخت ناپسندیدگی کا باعث ہے کہ ایک ایسے ماحول و زمانہ میں جہاں ایک کثیر تعداد انسان شبینہ کی محتاج ہو، جہاں بلب مریض دوا اور برہنہ تن شریف مرد اور عورتیں ستر پوشی سے محروم ہوں کہیں کسی بیوہ کے چولھے پر توا اور کہیں کسی غریب کے جھونپڑے میں دِیا نہ ہو ایک ایک دعوت اور ایک ایک تقریب میں ہزاروں لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کئے جائیں۔

زمانہ کے بہت سے تغیّرات و انقلابات اور علم و ترقی کے باوجود مُسرفانہ اور "شاہانہ" شادیوں اور تقریبوں کا رواج بند نہیں ہوا، البتہ بعض جگہ انھوں نے جدید (ماڈرن) طرز اختیار کر لیا ہے، اور سیاسی مصالح و مقاصد بھی کہیں کہیں اُن سے وابستہ ہو گئے ہیں، آج بھی ہماری بہت سی برادریوں، تجارت پیشہ حلقوں اور عمائد شہر میں تقریبات پر (جو ایک انسانی ضرورت اور دینی فریضہ تھا) دل کھول کر اور جان پر کھیل کر روپیہ خرچ کرنے کا

www.abulhasanalinadwi.org

رواج ہے، ان میں سے بہت سے حضرات اپنی دوسری عملی زندگی میں دیندار اور صاحبِ خیر بھی ہیں مگر انھوں نے اس شعبہ کو دین سے بالکل غیر متعلق سمجھ رکھا ہے۔

حقیقتاً اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ان فرائض وتقریبات کا تخیل ومفہوم یکسر بدلنے کی ضرورت ہے، اس کے خلاف اعلان جنگ اور اعلان بغاوت کی ضرورت ہے، اس بات کو صاف طریقہ پر واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ یہ مُسرفانہ تقریبات افراد کے لئے غضبِ الٰہی کا مُوجب اور ملّت کے لئے وبال وادبار کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحیم وحکیم ذات اور اس کی حکیمانہ شریعت ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتی کہ اس جھوٹے نام ونمود اور اس عارضی رونق وزینت یا کام ودہن کی فانی لذّت پر وہ دولت صرف کی جائے جو سیکڑوں ضرورت مندوں کے کام آسکتی تھی۔

خوش حال وسربرآوردہ مسلمانوں کے سامنے یہ واقعہ آنا چاہیئے کہ مدینۂ منوّرہ کی محدود ومختصر آبادی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نکاح کرتے ہیں اور اس ذاتِ گرامی کو اطلاع بھی نہیں ہوتی جس کی شرکت و موجودگی ہر بزم کے لئے باعث فخر وزینت تھی، خصوصاً ایک جلیل القدر صحابی اور مہاجر کے کاشانہ کا چراغ بجا طور پر تھی، جس نے ابھی ابھی اس نئے شہر میں قدم رکھا تھا اور جس کے سارے تعلقات اسی مہاجر برادری سے قائم تھے، اور یہاں کی رونق وبرکت سب اسی ذاتِ عالی کے طفیل تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

جس سے ازدواجی زندگی کا یہ طریقہ اور اس کے یہ احکام معلوم ہوئے تھے، آج دور دراز کے عزیزوں اور دوستوں کو یہاں تک کہ ان ملکوں سے جہاں پاسپورٹ اور ویزا ہے مدعو کیا جاتا ہے، اور حضرت عبدالرحمنؓ کی شادی کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت ہوتی ہے، جب ان کے کپڑوں پر خوشبو کا نشان ملاحظہ فرمایا جاتا ہے، پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شادی کر لی ہے، اس وقت برکت کی دعا کی جاتی ہے، اور ولیمہ کے لئے ہدایت ہوتی ہے خواہ ایک بکری ہی ذبح کر کے ہو۔[1]

اب وقت آگیا ہے کہ ان "حوصلہ مندیوں" پر جن کا ان مواقع پر اظہار کیا جاتا ہے، ہمارا ذمہ دار طبقہ اپنی پوری ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کرے، ان حوصلہ مند حضرات کو بھی سوچنا چاہئے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات، مسلمانوں کی معاشی پستی اور بدحالی بلکہ فلاکت اور ہلاکت کے دور میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ کوئی فرد اپنے یہاں کی کسی ایک تقریب پر اتنے مصارف کر دے جس سے ایک برادری کی پرورش یا مکمل ادارہ کا انصرام ہو سکتا ہے؟ اُن کو آخرت کے مؤاخذہ اور حساب سے بھی ڈرنا چاہئے جب ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا اور افراد و ملت کی شدید ضروریات کی موجودگی میں اس دریا دلی کا جواز پیش کرنا ہوگا جو اپنی ذات تک محدود تھی، اور جس نے محض نام و نمود یا اپنی حیثیتِ عُرفی کا مظاہرہ اور بعض اوقات

[1] ملاحظہ ہو صحیح مسلم، باب النکاح علی وزن نواۃ من ذہب۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو ترقی دینا، اس کی توسیع اور اس سے اجتماعی یا سیاسی فوائد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

حضرات!

اس طویل سمع خراشی کے بعد اور اس کے ساتھ یہ ناچیز یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کی نیاز آگیں آنکھیں اس مؤقر مجمع میں اس شخصیت کے چہرہ کو تلاش کرتی ہیں، جس نے مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور مسلمانوں کے دین و شریعت کے صریح احکام کے مطابق عائلی زندگی گزارنے کی نہ صرف دشواری بلکہ اس کے ناممکن ہوجانے کے خطرہ کو شدّت کے ساتھ سب سے زیادہ اور بہت پہلے محسوس کیا، اور اس کے لئے اس کے اندر ایسی بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا جس نے بالآخر پوری ملّت کو اور ملک کے مسلمانوں کو اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا، ۱۹۷۲ء میں بورڈ کی تشکیل ہوئی اور اس سلسلہ میں وہ مہم اور تحریک چلی جس نے حکومت کو بھی سنجیدگی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کیا اور بالآخر وہ ایکٹ پارلیمنٹ سے منظور ہوا جس کی مثالیں ملک کی آئینی و جمہوری زندگی میں کم ملتی ہیں، آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میری مراد کس محبوب شخصیت سے ہے، پھر بھی دل کو تھام کر عرض کرتا ہوں کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی و روح رواں مولانا سید منّت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ سے ہے، جن کی ایسے بڑے اجلاس میں پہلی مرتبہ غیر موجودگی شدّت سے محسوس کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے اور پوری ملّت کی طرف سے اُن کو

www.abulhasanalinadwi.org

شایانِ شان جزا عطا فرمائے ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org